جگر خوں کرو ہوں میں

محمد ندیم صادق

جگر خوں
کروں ہوں
میں

محمد ندیم صادق

حسنِ ادب فیصل آباد
03217044014

ASIAN RESEARCH INDEX

Jigar Khoon
Karoon Hun
Main

By

Muhammad Nadeem Sadiq

OPEN ACCESS

CC BY

ECO FRIENDLY

Licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

ضابطہ

نام کتاب:	جگر خوں کروں ہوں میں
شاعر:	محمد ندیم صادقؔ
کمپوزنگ:	اختر خان
خطاطی سرورق:	راشد سیال
اہتمام:	حسنِ ادب فیصل آباد
سرورق:	ڈاکٹر عارف حسین عارفؔ
باراول:	2023
تعداد	: 500
قیمت	: 600روپے

ARI ID: 1689955000102

انتساب

ناصر کاظمی کے نام

میرؔ و ناصرؔ میرے مرشد
مجھ پر اُن کا رنگ چڑھا ہے
ناصر کی ''پہلی بارش'' میں
صادق پورا بھیگ چکا ہے

مصرع کوئی کوئی کبھو موزوں کروں ہوں میں
کس خوش سلیقگی سے جگر خوں کروں ہوں میں
میر تقی میرؔ

فہرست

☆	ندیم صادق کا پہلا شعری مجموعہ	باصر سلطان کاظمی	۹
☆	لوگ ندیم ندیم کہے ہیں	ڈاکٹر محمد افتخار شفیع	۱۱
☆	اداسی کی برکھا میں بھیگی شاعری	ڈاکٹر عطاء الرحمٰن قاضی	۱۷
☆	خون جگر ہونے تک	محمد ندیم صادق	۱۹
1	صادق جب لکھنے بیٹھا ہے		۲۸
2	دل میں ایسا درد اٹھا ہے		۳۰
3	وہ مجھ سے بیزار بڑا ہے		۳۲
4	درد ملے تو رنج ہی کیا ہے		۳۴
5	خود کو دیکھ رہا ہوں کیا ہے		۳۶
6	کتنا تنہا تنہا سا ہے		۳۸
7	اب تو سب کچھ نیا نیا ہے		۴۰
8	کیا وہ سب کچھ بھول گیا ہے		۴۲
9	تُو تو بالکل پتھر سا ہے		۴۴
10	تُو ہی مجھ کو یاد رہا ہے		۴۶
11	ساغر میں اک پھول کھلا ہے		۴۸
12	تُو کیوں اُس کو سوچ رہا ہے		۵۰
13	وہ بھی مجھ کو سوچ رہا ہے		۵۲

14 اب دل تنہا خوش رہتا ہے ۵۴
15 جب سورج ڈھلنے لگتا ہے ۵۶
16 اِس میں تیرا قصور بھی کیا ہے ۵۸
17 دیکھو کب سے گُم بیٹھا ہے ۶۰
18 کیوں کر مجھ کو درد دیا ہے ۶۲
19 میں نے بس تجھ کو چاہا ہے ۶۴
20 آج بھی دل میں درد اٹھا ہے ۶۶
21 میرا فون نہیں سنتا ہے ۶۸
22 ساری بات سمجھ جاتا ہے ۷۰

حصہ نظم

1 ناسٹیلجیا ۷۴
2 گاؤں کا رستہ ۷۷
3 کالج کی یادیں ۸۰
4 پتھر ۸۴
5 ہوٹل والے کا بچہ ۸۷
6 ۔۔۔کا سراپا ۹۰
7 اک بے نام سی کیفیت ۹۳
8 نہر کنارہ ۹۵
9 جاڑے کا موسم ۹۸

10 پتھر۔۔۔؟ ۱۰۰
11 میں تم اور اسٹیشن ۱۰۲
12 پچھلی رُت ۱۰۷
13 میں تُو اور پیڑ ۱۰۹
14 نیلی چادر والی لڑکی ۱۱۱
15 ۔۔۔کے پروفائل پر بلی دیکھ کر ۱۱۳
16 اک کلاس فیلو کی فرمایش پر ۱۱۵
17 پتھر کی دنیا ۱۱۷
18 تُم بن رہ سکتا ہوں ۱۱۹
19 غضنفر عباس سیّد کی یاد میں ۱۲۰
20 لیب میں بیٹھی اک کیمسٹ لڑکی ۱۲۲
21 دل کی بات نہیں سنتا ہے ۱۲۴

☆☆☆☆☆☆☆

میرے نصیبِ شوق میں لکھا تھا یہ مقام
ہر سُو ترے خیال کی دنیا ہے ، تُو نہیں
مجید امجد

ندیم صادق کا پہلا شعری مجموعہ

میں ندیم صادق صاحب سے حال ہی میں متعارف ہوا ہوں۔ مجھے ان کے پہلے مجموعہ کلام کا مسودہ دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ یہ میرے لیے ایک بہت خوش گوار تجربہ تھا۔ میرے لیے دل چسپی کی خاص بات یہ ہے کہ حصہ غزل کی تمام غزلیں ناصر کاظمی کی ''پہلی بارش'' کی طرح ایک ہی زمین میں ہیں۔ ان کی بحر بھی وہی ہے اور قافیہ بھی، ردیف البتہ مختلف ہے۔ شاعر نے کئی اشعار میں بھی ناصر سے اپنے لگاؤ کا اظہار کیا ہے۔ یہ کلاسیکی روایت سے متاثر اور وابستہ شاعر کا کلام ہے۔ کتاب کا عنوان میر کے شعر سے اخذ کیا گیا ہے اور انتساب ناصر کاظمی کے نام ہے۔

ایک ہی زمین میں اتنی غزلیں کہہ لینا کوئی آسان کام نہیں۔ شاعر اس کے لیے خصوصی داد کا مستحق ہے۔ پہلی غزل حمد یہ ہے اس کے بعد اکیس غزلیں دو انسانوں کے ملنے بچھڑنے اور ان کے تعلق کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

یاد کے بوٹے سوکھ نہ جائیں
دل دریا پانی دیتا ہے

وہ تجھ کو کیوں یاد کرے گا
صادق وہ مصروف بڑا ہے

ساری گلیاں گھوم چکا ہوں
تیری گلی سے ڈر لگتا ہے

شہر کی سڑکیں تو ٹھنڈی ہیں
لیکن میرا دل جلتا ہے

دل میں کیسا خوف بھرا ہے
پھول کھلے تو ڈر لگتا ہے

اب دل تنہا خوش رہتا ہے
میں نے خود کو بدل لیا ہے

صادق فون نہ کر تُو اس کو
وہ تجھ سے بیزار ہوا ہے

میں ندیم صادق کو اس مجموعے کی اشاعت پر تہ دل سے مبارک باد دیتا ہوں اس دعا کے ساتھ یہ قارئین میں پذیرائی حاصل کرے۔

باصر سلطان کاظمی

لوگ ندیم ندیم کہے ہیں

یہ شاعر اور اس کی شاعری ایک ایسے خوابیدہ شہر میں پَل کر جوان ہوئے ہیں، جس کے باشندے سنہری شباہتوں کے ساتھ ساتھ ایک شانِ بے نیازی بھی رکھتے ہیں۔ اسی ماحول کے ساتھ ساتھ ہمارا یہ ندیم پروان چڑھا ہے، ندیم سے میری پہلی ملاقات کب ہوئی، معلوم نہیں، البتہ میں اس کے ''یک بوسہ و دو اشک'' کی دل چسپ داستان سے خوب واقف ہوں۔ ایسا شاگرد جو آپ کی آنکھوں کے سامنے ترقی کرتے ہوئے آپ کا رفیقِ کار بن جائے، اُس نوجوان دوست کے ساتھ ہونے والی گفتگوؤں میں زندگی کے کون کون سے رطب و یابس زیرِ بحث نہیں آئے ہوں گے؟ ندیم نے کالج کے زمانے میں شاعری، افسانہ نگاری اور نقد و نظر کی دنیا میں ایک ساتھ قدم رکھا۔ یہ شعری مجموعہ اس کے افکار و تفلسف کا پہلا عکس ہے۔ اس کے مشتملات میں موجود غزلوں اور نظموں پر ناصر کاظمی کے گہرے اثرات ہیں۔ محمد ندیم صادق نے اس کا برملا اعتراف بھی کیا ہے:

لوگ پوچھتے ہیں کیا غم ہے
رنگ ترا بھی ناصر سا ہے
میر و ناصر میرے مرشد
مجھ پر ان کا رنگ چڑھا ہے
''تنہائی کا دکھ گہرا تھا''
ناصر یہ بھی تو کہتا ہے
ناصر کی ''پہلی بارش'' میں
صادق پورا بھیگ چکا ہے

چاند کے ہم راہ پیدل سفر کرنے والا، شیرازی کبوتروں سے کرب و بلا کے واقعات روایت کرنے والا، راج ماتا کے تاج سے موتی چرانے والی چڑیا کی کھوج میں رہنے والا، ناصر کاظمی، ہماری جدید غزل کا ایک اہم سنگ میل ہے، سکول کے دنوں میں علی گڑھ کے فارغ التحصیل ایک مہربان بزرگ نے مجھے ناصر کاظمی کا اولین شعری مجموعہ ''برگِ نے'' بطور تحفہ

عطا کیا۔اس کتاب نے مجھے شعر کی ایک انوکھی طلسم ہوش ربا تک رسائی دی۔اس کے مندرجات نے میرے جیسے مبتدی کے لیے امکانات کا ساتواں در کھول دیا۔آہستہ آہستہ شعروسخن کی نئی نئی وادیوں کی سیر کی، بہت سا وقت گزر گیا لیکن ناصر کاظمی کی شاعری آج بھی زندگی کی معدوم ہوتی رونقوں میں ابھر ابھر کر صدائیں دیتی ہے۔خاص طور پر ''پہلی بارش'' کی شعری فضا میں موجود پیکر ایک عجیب مگر مانوس ماحول میں لے جاتے ہیں۔فی الواقع یہ کتاب ایک انوکھا تجربہ ہے۔ ڈاکٹر اسلم انصاری اس اسلوب نگارش کے موجد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ناصر ہوں یا اسلم ان کے یہ شعری رنگ مصحفی کی چند غزلوں سے چراغ فکر جلاتے ہیں۔ناصر کاظمی کے بارے میں سجاد باقر رضوی کی بات دل کو لگتی ہے:''لاہور کے گنبدِ بے در میں جتنی چاہے گرد اڑا لو مگر ناصر کاظمی سے بچ کر رہنا ضروری ہے کہ اس کا ڈسا پانی نہیں مانگتا''۔ندیم صادق کے ہاں دراصل اسی شعری روایت کا ہلکا سا پَرتو ملتا ہے جو میر، فانی، فراق اور ناصر سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔

ندیم صادق کے ہاں شاعری اور داستان گوئی کا ایک ایسا آمیزہ بن گیا ہے جو قاری کو باقاعدہ طور پر محظوظ کرتا ہے۔بعض اوقات وہ باصرہ، لامسہ، شامہ اور سامعہ کے پیکر تشکیل دیتا ہے، جیسے رات کے پچھلے پہر کا کوئی مسافر نیم تاریک گلیوں میں سے گزرتا ہوا گھر کے آنگن میں پہنچا ہے،لیکن اس کی اجنبیت ابھی تک برقرار ہے، یہ گلیاں کبھی کبھی تو میر کی دلی کی گلیوں سے مشابہ لگتی ہیں۔اس شعری سفر میں ندیم صادق کی شاعری ایک غم زدہ کی آواز ہے،ایک مدعی کی پکار ہے یہ اور بات کے اس نقوش ابھی کچھ دھندلے ہیں۔آواز اور خاموشی کا اتصال ایک عجیب طرح سے اس کے ہاں در آیا ہے۔اس کے الفاظ؛ آواز، معانی اور خاموشی سے ترتیب پاتے ہیں۔اس کا ذہنی رجحان ماضی کے چقماق پتھر سے اپنی یادوں کے الاؤ روشن کرت ہے۔چند شعری مثالیں دیکھیں:

رات گئے تک ان گلیوں میں
کوئی آوارہ پھرتا ہے
ساری گلیاں گھوم چکا ہوں
تیری گلی سے ڈر لگتا ہے
اب ان سڑکوں پر تنہا ہوں
جن پر کبھی تو ساتھ چلا ہے

کوئی جو پوچھے حال مرا تو
کہہ دیتا ہوں سب اچھا ہے
آج کی رات نہ سو پاؤں گا
گلی میں تجھ کو دیکھ لیا ہے

ندیم کی شاعری کی پہلی قرأت میں محسوس ہوتا ہے کہ اس میں ''مَن وتُو'' کے علاوہ کوئی تیسرا کردار موجود نہیں، فی الواقع عشق کا جان لیوا تجربہ ماسوائے محبوب گردونواح کی ہر شے کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ میر کے ہاں یہی تجربہ اس طرح وقوع پذیر ہوا :

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
ہو گئے خاک انتہا یہ ہے

یہ عاشق اور محبوب کے ہجر و وصال کی کہانی تو ہے ہی، اس میں موجود علامتوں کا نظام بھی ایک ایسے فرد سے متعارف کرواتا ہے جو زندگی کے ہنگاموں میں تنہائی کا شکار ہو کر رہ گیا ہے۔ اس شاعری میں مختلف الفاظ علامتی انداز میں انسان کی ناآسودگی اور محرومی سے بہ راہ راست مخاطب ہوتے ہوئے بھی خطابیہ انداز نہیں رکھتے۔ اس کے بطن میں موجود محسوسات اداسی، ویرانی، اجنبیت، لاتعلقی، خلوت اور بے گانگی کی تصویریں بنتی ہیں۔ شاعر خاموش ہو کر بھی گفتگو کر سکتا ہے۔ شب کی تاریکی میں اس کی باصرہ اور خاموشی میں اس کی سامعہ اور بھی تیز ہو جاتی ہے۔ اس کی حسیات ایک جہانِ معنی کو ترتیب دینے کی کوشش کرتی ہیں:

کتنے لوگ تھے دل میں صاحب
اب تو دل ویران پڑا ہے
اب میں گھر لے آیا ہوں جو
میر اداسی چھوڑ گیا ہے
مجھ کو اداس جو دیکھا تو کب
جانے والا ٹھہر گیا ہے
رات میں کوئی تو جادو ہے
وہ میرا ہونے لگتا ہے

رات کے تین بجے ہیں اور تم
اب تک جاگ رہے ہو کیا ہے؟
اشکوں کی برسات میں اکثر
دل کا کمرہ گر پڑتا ہے
گزری باتیں گزر چکی ہیں
تُو اب کس کو یاد رہا ہے

ندیم کے نزدیک چاند کی علامت سکون، حرارت، آگہی، تخلیق، رفاقت کی ترجمان ہے، یہاں چاند میں دکھائی دینے والا پری تمثال کا چہرہ بھی محمد تقی میر کے ہاں موجود نفسیاتی معاملے سے مشابہ ہونے کا اشارہ کرتا ہے۔ یہ بھی کوئی چاندنی، مہتاب، گل ماہ تابی، قمر یا ماہ کی طرح ہوگا:

چاند کو جب بھی دیکھتا ہوں میں
دھیان میں پھر تو آجاتا ہے
چاند کو دیکھ کے مجھ کو ہمیشہ
یاد ترا چہرہ آتا ہے
چاند بادلوں میں چھپ چھپ کر
مجھ کو تنگ بہت کرتا ہے
سارے تارے دیکھ رہے ہیں
چندا مجھ کو گھور رہا ہے

ندیم کی نظمیں اس کی غزلوں سے موضوع اور ہئیت کی ضرورت کے سبب جدا ہیں۔ بہ ظاہر دونوں کا ماحول تقریباً یکساں ہے، ان نظموں کے مناظر ایک ایسی مخصوص فضا کے تابع ہیں جو کسی فن پارے کی محیط کیفیت کی ترجمان ہوتی ہے۔ یہ روزمرہ زندگی کی بکھری ہوئی چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہیں، ان میں زماں و مکاں کی تجلیات کی تلاش تو مشکل ہے لیکن یہ ہمارے احساس کی ترجمانی ضرور کرتی ہیں، ان میں کم سِن عشقیہ جذبات کی موجودگی شاعر کی افتادِ طبع کے باعث فطری لگتی ہے، شہروں کے مناظر، خوب صورت دکانیں، سہ منزلہ بل کہ دہ منزلہ عمارتیں، بانکے مکانوں کی قطاریں، گھروں کے صدر دروازوں پر آویزاں ناموں، ڈگریوں اور عہدوں کی تختیاں، شاہ راہوں

پر چلتی ہوئی خوب صورت دوشیزائیں، درس گاہوں سے خوب صورت اور اجلی وردیوں میں ملبوس بچے اس کے لیے زیادہ کشش کے حامل نہیں۔اس ماحول میں بھی وہ اپنے گاؤں کے کچے رستوں پر ایستادہ شیشم، پیپل، لیموں، کیکر اور بیری کے درختوں پر چہچہاتے پرندوں اور گنگناتی نہروں کی یاد میں آہیں بھرتا دکھائی دیتا ہے۔ایک نظم ''گاؤں کا رستہ'' کا منظر دیکھیے:

ہجر کے ماروں کی خاطر جب
وصل کے گیت ہوا بُنتی تھی
رنگ بہار کے اس مٹی سے
ہر دل کی دھڑکن چُنتی تھی
اک مدت سے اک عرصے سے
چھوٹ گیا وہ رستہ مجھ سے
جو میرے گاؤں جاتا تھا

(گاؤں کا رستہ)

شعری عمل کے دوران میں شاعر کا دماغ متعدد خیالات کو جنم دیتا ہے۔لاتعداد الفاظ اور مصرعے اسے دعوتِ سخن دیتے ہیں۔یہ موضوعات شعوری اور لاشعوری سطح پر شاعر کی فکر کو اشعار کی صورت میں پیش کر دیتے ہیں۔کسی انسان کا سراپا جب شاعر کے لاشعور کا حصہ بنتا ہے تو اس کی تجسیم ایک نئے پن کے ساتھ حالات و واقعات کی شبیہ سامنے لاتی ہے۔ایک شاعر کے لیے شاعری کا عمل ایک صوفی کے مراقبے سے مشابہ ہوتا ہے، تخلیقی عمل کے دوران اگر وہ اس تجربے کی ماہیت پر غور کرے تو وہ تخلیقی عمل ختم ہو جاتا ہے، اس لیے اس کی سوفی صد تحقیق ممکن نہیں۔زندگی کے خارجی مظاہر جب اس کے داخل کے ساتھ ٹکراتے ہیں تو ردعمل کے طور پر وہ صورت حال پیدا ہوتی ہے جسے ''وجدان'' کا نام دیا گیا ہے۔شعر سازی کے عمل سے پہلے مختلف شبیہیں شاعر کے دماغ میں مجرد شکل میں پرورش پاتی رہتی ہیں۔شکل و شباہت کے بیان کی عمومی صورتوں سے ہٹ کر یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ جسمانی خدوخال کے ساتھ ساتھ نشست و برخاست، اندازِ گفتگو، چال ڈھال وغیرہ بھی ہر انسان کی انفرادی حیثیت کو واضح کرتے ہیں۔ندیم کی شاعری میں ترتیب پانے والا محبوب کا سراپا ایک خاص قسم کی پاکیزگی لیے ہوئے ہے۔اس سے ندیم کے ہاں محبت کی

مطاہر پہلوؤں کی نشان دہی ہوتی ہے۔ایک نظم میں اس کی مثال دیکھیے :

چاند سا چہرہ ، بال تھے بادل
دانت تھے اس کے موتی جیسے
ناک تھی ستواں ، پیاری آنکھیں
پتلی لمبی روشن انگلی
انگلی میں اک زرد انگوٹھی
ہاتھ تھے اس کے چاندی جیسے
(۔۔۔کا سراپا)

نارسائی کی یہ کیفیت اس نظم میں آگے یوں واضح ہوتی ہے:

آنکھ نہ بھر کر دیکھا ہم نے
میں نے اس کو ، اس نے مجھ کو
رنگ یہ سارے نقش ہیں کیسے
اس کا میرا کیا رشتہ تھا
(۔۔۔کا سراپا)

یہ محض تصورِ محبوب سے اپنے خیال وافکار کے چراغ روشن کرنے کا عمل ہے۔محمد ندیم صادق کا یہ پہلا شعری مجموعہ اس کی مبتدیانہ کاوش ہے۔اس کا خوش دلی کے ساتھ استقبال کرنا چاہیے۔شعر کہتے کہتے ہمارا شاعر زرد رُو اور نم دیدہ ہو گیا ہے، ہونٹ خشک ہیں، سو اس کے محبوب شاعر میر ہی کا ایک شعر اس کو سونپتا ہوں، اس شعر سے اس کتاب کے قارئین بھی لطف لیں گے:

کس طرح سے مانیے یارو کہ وہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

پروفیسر ڈاکٹر محمد افتخار شفیع
صدر شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج ساہیوال

اداسی کی برکھا میں بھیگی شاعری

میر اور ناصر کی شعری کائنات سے محمد ندیم صادق نے اپنے لگاؤ کا ثبوت ''جگر خوں کروں ہوں میں'' کی صورت میں فراہم کیا ہے۔اس مجموعے میں شامل غزلیں اور نظمیں ایک ہی کتھا سنا رہی ہیں۔خوف،اداسی،تنہائی اور نارسائی میں گندھی بیدار راتوں کی کتھا۔

دل میں کیسا خوف بھرا ہے
پھول کھلے تو ڈر لگتا ہے
رات گئے تک ان گلیوں میں
کوئی آوارہ پھرتا ہے
کلی جو کھل کر پھول بنی تھی
پھول کسی نے توڑ لیا ہے

مندرجہ بالا اشعار جس کیفیت کی عکاسی کر رہے ہیں اسے قنوطیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے مگر کسی روشن تخلیقی لمحے میں شاعر نے اس فضا سے باہر نکلنے کا راستا،خوش کن یادوں اور فطرت کے حسن سے وابستگی کی صورت میں تلاش کیا ہے۔

یادوں کی بارش میں صادق
کب سے بیٹھا بھیگ رہا ہے
ساغر میں اک پھول کھلا ہے
سارا جنگل مہک اُٹھا ہے

سادگی اور لہجے کی دھیمی آنچ نے جذبے کے خالص پن کو لفظوں کے بناؤ سنگھار میں گم نہیں ہونے دیا۔حسّیاتی رنگ و آہنگ میں ڈھلی امیجری اور معروضی تلازمات بھی داخلی کیفیات کے ہی عکاس ہیں۔

شہر کی سڑکیں تو ٹھنڈی ہیں
لیکن میرا دل جلتا ہے
پیار محبت کرنے والا
کورا کاغذ پڑھ سکتا ہے
تیرے شہر میں آ کر مجھ کو
اپنا آپ ہی بھول گیا ہے

میر نے (۳۰ رکنی ہندی بحر) میں درجنوں لاجواب غزلیں کہی ہیں اور ناصر نے (۱۶ رکنی ہندی بحر) کا مسحور کن تجربہ کیا ہے۔اس بحرِ ہزار موج کے اتار چڑھاؤ میں دلی کیفیات کا زیر و بم خوب محسوس کیا جاسکتا ہے۔ بید مجنوں کی سی لچکیلی یہ مترنم بحر تربیت یافتہ قاری پر اپنا جادو خوب جگاتی ہے۔ندیم صادق نے ناصر کی تقلید میں اس بحر کو اختیار کیا ہے۔

یقیناً کچھ مقامات پر عروض، داخلی آہنگ پر حاوی نظر آتا ہے جو عروضی سانچوں پر، داخلی آہنگ سے زیادہ زور دینے کا نتیجہ ہے۔یہی وہ مقام ہے جہاں عروض سے شعوری آگاہی نہ رکھنے والوں کے بے جا اعتراضات کا بھی انھیں سامنا کرنا پڑا جس پر ان کا شائستہ ردِعمل اس مجموعے کی آخری غزل میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔رات کے ویرانے میں لفظوں کے پھول کھلانا کوئی آسان کام تو نہیں کہ یہ عمل خونِ جگر کا مطالبہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن قاضی
صدر شعبہ اردو
گورنمنٹ ایسوسی ایٹ امامیہ کالج ساہیوال

خونِ جگر ہونے تک

اپنی کتاب کا دیباچہ لکھنا تو حالؔی جیسے لوگوں کو جچتا ہے جو دیباچہ لکھیں تو تنقید کی پہلی کتاب وجود پا جائے۔ میں تو عاجزانہ طور پر چند عروضی نکات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میرا یہ دیباچہ سب کے لیے نہیں ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو عروضی بحث اس قدر گنجلک اور پیچیدہ ہوتی ہے کہ ہر کسی کو اس سے شغف نہیں ہوتا اور دوسرا جو لوگ عروض پہ دسترس رکھتے ہیں ان کے لیے اس وضاحت کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ عروض پہ اس دیباچے سے بہت بہتر کتابیں پڑھ چکے ہیں۔ یہ دیباچہ فقط ان لوگوں کے لیے ہے جو شعر کہتے ہیں اور عروض میں بھی ٹانگ اڑاتے ہیں اور جب کسی شعر کی بحر سمجھ نہ آئے تو اسے بے وزن کہہ دیتے ہیں۔ زیادہ تر ہندی بحر کے سلسلے میں ان کا رویہ ایسا ہوتا ہے اور اگر ان کے سامنے کسی بڑے شاعر کا مصرع بہ طور نمونہ رکھ دیا جائے تو وہ اسے بھی بے وزن کہنے سے ذرا نہیں ہچکچاتے۔ فاع فاعلن یا فعَل فعولن ان کی سمجھ سے باہر ہو جاتا ہے۔ دراصل ایسے حضرات ہندی بحر کی چند معروف صورتوں کے سوا باقی صورتوں سے آشنا ہی نہیں۔

میرا یہ شعری مجموعہ ہندی بحر میں ہی تخلیق ہوا ہے اور ہندی بحر میں خاصا تنوع پایا جاتا ہے۔ ہمارے وہ لوگ جو عروض کو سرسری طور پر جانتے ہیں۔ اس بحر کو سمجھنے میں ٹھوکر کھاتے ہیں۔ وہ ہندی بحر کی چند معروف صورتوں سے ہی واقف ہیں۔ وہ بس اِسے ہی ہندی بحر سمجھتے ہیں مگر ہندی بحر کی متنوع صورتیں ہیں۔ ان حضرات کے سامنے اگر کوئی مختلف صورت آ جائے تو وہ اسے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کیوں کہ وہ ان صورتوں سے آشنا ہی نہیں اور وہ اسی نا آشنائی میں اس مصرعے کو بے وزن کہہ دیتے ہیں جو اُن کی سمجھ میں نہیں آتا حالاں کہ وہ صورتیں کوئی ایسی غیر معروف بھی نہیں بل کہ مروج ہیں جنھیں حالی، فراق، ناصر کاظمی اور مجید امجد سمیت بہت سے شعرا نے برتا ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ ہمارے اِن اصحاب کی نظر سے ان شعرا کا کلام گزرا ہی نہیں یا

گزرا ہے تو سرسری گزرا ہے یا انھوں نے عروضی اعتبار سے اس پر توجہ ہی نہیں کی اور جب اُن کی توجہ اس کی طرف کرائی جاتی ہے تو ان سے کوئی جواب بن نہیں پاتا اور وہ اُن شعرا کو بھی بے وزن کہہ دیتے ہیں جو ظلم کی انتہا ہے۔ اُن کی نظر میں ہندی بحر کی صرف آٹھ صورتیں ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ میں نے اِن آٹھ صورتوں پر بھی ناصر کاظمی کے دو دو مصرعے بہ طور مثال دے دیے ہیں تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

فعلن فعلن فعلن فعلن

کچھ یادیں کچھ خوشبو لے کر میں اُس بستی سے نکلا تھا

فاع فعولن فعلن فعلن

شام کا تارا بھی روتا تھا دور سے آوازیں دیتا تھا

فعلن فاع فعولن فعلن

تیرے دھیان کی کشتی لے کر کتنی پیار بھری نرمی سے

فعلن فعلن فاع فعولن

پتھر کا وہ شہر بھی کیا تھا سورج کب کا ڈوب چکا تھا

فاع فعولن فاع فعولن

پیڑ بھی پتھر پھول بھی پتھر چاند بھی پتھر جھیل بھی پتھر

فاع فعول فعولن فعلن

تیری ہلال سی انگلی پکڑے کوئی چراغ لیے پھرتا تھا

فعلن فاع فعول فعولن

اک رخسار پہ چاند کھلا تھا کتنی تیز اداس ہوا تھی

فاع فعول فعول فعولن

سرخ انار کا پھول کھلا تھا پھر تری یاد نے گھیر لیا تھا

ان آٹھ صورتوں کے سوا بھی بے شمار صورتیں ہیں جن کو ناصر اور مختلف شعرا نے برتا ہے۔ان کے رواں ہونے پہ بحث ہوتو پھر بھی بات بن سکتی ہے مگر ان صورتوں کا سرے سے انکار علم سے دوری اور شعری روایت کے مطالعہ کی کمی ہے۔ گیان چند جین نے ہندی بحر کی ننانوے صورتیں درج کی ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی مزید صورتیں بنانے کی گنجایش بھی ہے مگر وہ شاید زیادہ رواں نہ ہوں۔ ناصر کاظمی نے پہلی بارش میں تئیس سے چوبیس صورتوں کو اختیار کیا ہے۔ حالی، جوش، فراق نے بھی اس بحر کی متنوع صورتوں کو اختیار کیا ہے۔ حالی کی مناجات بیوہ اور فراق کی دھرتی کی کروٹ اس کی اہم مثالیں ہیں۔

ہندی بحر دراصل بحر متقارب (فعولن فعولن فعولن فعولن) کے دو اوزان (فعْلن فعْلن فعْلن فعْلن) اور (فاع فعولن فاع فعولن) اور بحر متدارک (فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن کے دو اوزان (فعْلن فعْلن فعْلن فعْلن) اور (فعِلن فعِلن فعِلن فعِلن) پر مبنی ہے۔ بحر متقارب میں فعْلن فعْلن کے ارکان کی جگہ کہیں بھی فاع فعولن لایا جاسکتا ہے جب کہ متدارک میں فعْلن کے کسی بھی رکن کی جگہ فعِلن لایا جاسکتا ہے مگر متقارب اور متدارک کو ملانا مناسب نہیں۔ یعنی متقارب میں فعِلن اور متدارک میں فعولن نہیں لایا جاسکتا۔ البتہ کچھ شعرا نے ایسا کیا بھی ہے جس میں جوش کی مثال دی جاسکتی ہے مگر اس چیز کو سیماب وغیرہ نے سخت ناپسند کیا ہے۔

ذیل میں ہم ناصر کاظمی کی پہلی بارش سے ہندی بحر کی دیگر صورتوں کی مثالیں پیش کرتے ہیں جو انھوں نے کثرت سے استعمال کی ہیں۔

فاع فاعلن فاع فعولن

تو نے کیوں مرا ہاتھ نہ پکڑا ایک پیڑ کے ہاتھ تھے خالی

فاع فعولن فعَل فعولن

تیرا سفر بھی نیا نیا تھا آنکھ کھلی تو تجھے نہ پا کر

فعَل فعولن فعَل فعولن

گرج گرج کر برس رہا تھا گرج گرج کر برس رہا تھا

فعلن فعلن فعَل فعولن

موسم کتنا بدل گیا تھا اک ٹہنی پر دیا جلا تھا

فعَل فعولن فعلن فعلن

گئے دنوں کی خوشبو پا کر ہرے سمندر میں گرتا تھا

فاع فاعلن فعلن فعلن

ایک بات سے جی ڈرتا تھا سوتی جاگتی گڑیا بن کر

فعَل فعولن فاع فعولن

نئی انوکھی بات سنا کر کسی پرانے وہم نے شاید

فعَل فاعلن فاع فعولن

نئے دیس کا رنگ نیا تھا نئے دیس کا رنگ نیا تھا

فاع فاعلن فعَل فعولن

مچھلی جال میں تڑپ رہی تھی تیری نیند بھی اڑی اڑی تھی

فعَل فعول فعول فعولن

ہرے گلاس میں چاند کے ٹکڑے ہرے گلاس میں چاند کے ٹکڑے

فعَل فاعلن فعلن فعلن

مرے سامنے آ بیٹھا تھا مرے سامنے آ بیٹھا تھا

مندرجہ بالا تمام صورتوں اور مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ فاع کے بعد فاعلن لانا یا فعَل کا استعمال اور فعَل کے بعد فاعلن یا فعولن لانا کوئی نئی انوکھی بات نہیں بل کہ یہ مروج بھی ہے اور اس سے وزن بھی نہیں گرتا مگر ہمارے اکثر دوستوں کو فاع کے بعد فاعلن سمجھ نہیں آتا اور فعَل کے استعمال پر وہ ویسے ہی چکرا جاتے ہیں۔ ناصر کاظمی کے بہت سے مصرعے ایسے بھی ہیں جن کے وزن پر ہندی بحری دو صورتیں بھی لاگو ہو جاتی ہیں۔ ناصر کاظمی اور پہلی بارش کے علاوہ بھی دیگر

شعرا کے ہاں اس کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ملاحظہ فرمایئے:

فعلن فعلن فاع فاعلن	خوش حالی ہے شرطِ زندگی	فراق
فعلن فعلن فعَل فعولن	راجہ کے گھر پلی ہوں بھوکی	حالی
فاع فعولن فاع فاعلن	سیر چراغاں دیکھ دیکھ کے	فراق
فاع فعولن فعَل فعولن	عیش کی گھر گھر پڑی پکاریں	حالی
فاع فاعلن فعلن فعلن	بیج کھاد پانی کا رونا	فراق
فعَل فعولن فاع فعولن	جنم جنم کا پاپ کٹے گا	فراق
فعَل فعولن فعَل فعولن	جنم جنم کو ہوئیں بروگن	حالی
فعَل فعولن فعَل فاعلن	جھلک رہا ہے نگر ماسکو	فراق
فعَل فاعلن فعلن فعلن	بنی لکشمی دکھ کی رانی	فراق
فعَل فاعلن فاع فعولن	زمیں دار دیوان داروغہ	فراق
فعلن فعَل فعولن فعلن	برسیں کھلیں بہت برساتیں	حالی

ان شعرا کے علاوہ بھی بعض شعرا نے ان صورتوں کو اختیار کیا ہے مگر وہ فعلن چار بار کی بجائے پانچ، ساڑھے پانچ، سات، ساڑھے سات یا آٹھ بار والی صورتیں ہیں۔میرا جی کے یہ مصرعے ملاحظہ کیجیے۔

نگری نگری پھرا مسافر گھر کا رستا بھول گیا
فعلن فعلن فعَل فعولن فعلن فعلن فاع فعو

سوجھ بوجھ کی بات نہیں ہے من موجی ہے مستانہ
فاع فاعلن فاع فعولن فعلن فعلن فعلن فع

لہر لہر سے جا سر پٹکا ساگر گہرا بھول گیا
فاع فاعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فاع فعو

مجید امجد کے ہاں بھی ہندی بحر کی مختلف صورتیں بے شمار نظموں میں ملتی ہیں۔ جہاں بھی

انھوں نے ہندی بحر کو استعمال کیا ہے وہاں انھوں نے اس کی متنوع صورتوں کو ہی برتا ہے نہ کہ فقط آٹھ صورتیں اختیار کی ہیں۔ مثال کے لیے صرف چند ایک مصرعے دیے جا رہے ہیں۔

تھوڑی دور تک بھری سڑک پر دو پہیوں کے ساتھ ساتھ وہ پہیے ڈولے تھے
فعلن فاع فاعلن فعل فاعلن فعلن فاع فاعلن فعلن فعلن فعلن

ہم سب بھرے بھرے جزدان سنبھالے
فعلن فعل فعولن فاع فعولن

لوحیں ہاتھوں میں لٹکائے
فعلن فعلن فعلن فعلن

بنا بٹن کے گریبانوں کے پلو ادھڑے کاجوں میں اٹکائے
فعل فعول فعولن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن

مزید مثالوں، حوالوں اور ہندی بحر کے اصولوں کے لیے آپ عروض کی کتب کا مطالعہ کر لیجیے۔ اس مضمون کا بنیادی ماخذ گیان چند جین کی کتاب ''اردو کا اپنا عروض'' ہے اور اکثر حالی اور فراق کے مصروں کی مثالیں بھی وہیں سے لی گئی ہیں مگر ناصر اور دیگر شعرا کے مصرعوں کی مثالیں میری ذاتی تحقیق اور دل چسپی کا نتیجہ ہے۔

میں نے اپنے اس شعری مجموعے کی تمام نظموں اور غزلیات کے اندر بحر متقارب کے دونوں اوزان کو ہی برتا ہے جب کہ دو نظموں ''کالج کی یادیں'' اور ''ہوٹل والے کا بچہ'' میں بحر متدارک کے دونوں اوزان کو اختیار کیا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے کہیں بھی ان دونوں بحور کو آپس میں نہیں ملایا نہ برتا ہے۔

اس کتاب کے اندر میں نے اپنا صرف وہی کلام شامل کیا ہے جو ایک ہی بحر میں ہے۔ غزلیات کی بحر کے ساتھ ساتھ زمین بھی ایک ہی ہے اور تمام نظمیں معریٰ نظمیں ہیں۔ ان نظموں اور غزلیات کا تخلیقی دورانیہ دس سال پر محیط ہے اور میں نے اسے اسی ترتیب سے رکھا ہے جس ترتیب سے یہ تخلیق ہوئی ہیں سوائے پہلی غزل کے جو حمدیہ ہے۔

دس سال کے اس تخلیقی دورانیے میں زیادہ تر حصہ ساہیوال کے رَت جگوں کا ہے۔ ان

ساری نظموں کے سوتے اسی شہر کی مٹی سے پھوٹتے ہیں۔

یہ ساری تخلیقی ریاضت استادِ محترم پروفیسر ڈاکٹر عطاء الرحمٰن قاضی صاحب سے ہونے والی نشستوں کا ثمر ہے جن کی راہ نمائی کی بدولت مَیں اس سفر پر گامزن رہا۔اُن کی معاونت قدم قدم پر میرے ساتھ رہی اور جہاں کہیں بھی عروضی الجھن سے میرے قدم ڈگمگائے ان کی راہ نمائی میسر آئی۔

اس کتاب کی تخلیق میں ساہیوال کے در و دیوار، ہوا و فضا اور کچھ پردہ نشینوں کا بھی حصہ ہے۔کاشف حنیف کی بلا ناغہ نشستیں، چائے کی چسکیاں اور ملک علی احمد سے ملاقاتیں بھی میرے شعری ذوق کو جلا بخشنے کے لیے کافی تھیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد افتخار شفیع صاحب کا بے حد شکریہ جن کے طفیل ہمیں شعر و ادب کا چسکا پڑا اور اب اس مجموعے کی اشاعت میں بھی ان کے بہت سے مفید مشورے میرے کام آئے ہیں۔پروفیسر نوید عاجز اور عباس علی شاہ کا شکریہ جن کی محبت مجھے ہر دم میسر رہی۔پروفیسر ڈاکٹر ندیم عباس اشرف اور پروفیسر مطلوب حسین صاحب کا شکریہ جن کی حوصلہ افزائی سے تقویت ملتی رہی۔ پروفیسر رفیق ظہیر صاحب کا شکریہ جنھوں نے گاہے بگاہے کمپوزنگ، پرنٹنگ اور پی ڈی ایف فائل بنانے میں مدد کی۔اس کتاب کے مسودے کی سیٹنگ کے لیے اختر خان صاحب کا شکریہ۔محترم نواز صاحب، آفتاب صاحب، کلیم اشرف صاحب کا شکریہ اور مہر علی کا خصوصی شکریہ جس نے ٹائٹل کے انتخاب اور پروف ریڈنگ میں معاونت کی۔ڈاکٹر عارف حسین عارفؔ کا ممنون ہوں جنھوں نے بہت محبت فرمائی اور خاص دل چسپی سے اس کتاب کو اشاعت کے قابل بنایا۔آخر پہ شعبہ اردو گورنمنٹ کالج ساہیوال کے تمام اساتذہ کا شکریہ جن کی حوصلہ افزائی میرے کام آئی۔

محمد ندیم صادق

شعبہ اردو

گورنمنٹ کالج ساہیوال

راہِ مضمونِ تازہ بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے بابِ سخن
ولی دکنی

غزلیات

غزل

صادق جب لکھنے بیٹھا ہے
حمد سے ہی آغاز کیا ہے

ساری تعریفیں اُس کی ہیں
پہلے اُس کا نام لیا ہے

روزی روٹی اُس کے ذمے
بن مانگے سب کو دیتا ہے

کیڑے پالے پتھر اندر
بھوکا کوئی نہیں سوتا ہے

ہندو مسلم فرق نہیں ہے
ہر کوئی نعمت کھاتا ہے

اک ہم ہیں نا شکرے بندے
اور وہ کرم کیے جاتا ہے

اُس کے موسم اُس کی بارش
وہ جب چاہے برساتا ہے

اُس کی فصلیں اُس کی کھیتی
دانے سے خوشا بنتا ہے

صادقؔ کیا تعریف لکھے گا
بس فعلن فعلن کرتا ہے

☆☆☆

غزل

دل میں ایسا درد اُٹھا ہے
سارا منظر چیخ رہا ہے

اُس کی یاد ہے دل سے گزری
دل میں کیا کیا شور مچا ہے

میری بات نہ مانے گا وہ
مجھ کو اُس کا خوب پتا ہے

دل اندر غم کی شدّت سے
خون کا اِک دریا بہتا ہے

یاد کے بوٹے سوکھ نہ جائیں
دل دریا پانی دیتا ہے

دل کی باتیں وہ کیا جانے
اُس کا دل تو پتّھر کا ہے

دل پر درد کا پتّھر رکھ کر
مجھ کو اُس جیسا بننا ہے

درد سے دل یہ بیٹھ نہ جائے
اب مجھ کو یہ ڈر لگتا ہے

جھوٹ تو بول نہیں سکتا میں
صادقؔ کا مطلب سچّا ہے

☆☆☆

غزل

وہ مجھ سے بے زار بڑا ہے
دل ہے کہ اُس سے خوش رہتا ہے

ساتھ نہیں ہے دُور کھڑا ہے
ننگے پاؤں کانچ چُبھا ہے

میرا قصور تو بس اتنا ہے
میں نے تجھ سے پیار کیا ہے

دل کیا جانے بھولا بھالا
رشتوں میں جو زہر گُھلا ہے

اَفلاطون کہے شاعر پر
حُسن کی دیوی کا پہرا ہے

میں شاعر وہ حُسن کی دیوی
اَفلاطون بھی سچ کہتا ہے

پیار اگر یک طَرفہ ہو تو
پَل پَل کا جینا مَرنا ہے

سنا ہے مدہوشی میں شب بھر
اُس نے میرا نام لیا ہے

وہ تجھ کو کیوں یاد کرے گا
صادقؔ وہ مصروف بڑا ہے

☆☆☆

غزل

درد ملے تو رَنج ہی کیا ہے
درد بھی دل کی ایک دوا ہے

جس نے مجھ کو درد دیا ہے
اُس نے تو احسان کیا ہے

اُس کو جب تک دیکھ نہ لوں میں
دل کو سُکون کہاں ملتا ہے

رات گزرنے والی ہے جی
دل کا غبار نہیں نکلا ہے

دل کا برتن جب سے ٹُوٹا
پانی آنکھ میں بھر رکھّا ہے

میں کب تک مدہوش رہوں گا
اُن آنکھوں سے جام پیا ہے

سارے تارے دیکھ رہے ہیں
چندا مجھ کو گھُور رہا ہے

کتنے لوگ تھے دل میں صاحب!
اب تو دل ویران پڑا ہے

یادوں کی بارِش میں صادقؔ
کب سے بیٹھا بھیگ رہا ہے

☆☆☆

غزل

خُود کو دیکھ رہا ہوں کیا ہے
وہ کیوں مجھ کو چھُوڑ گیا ہے

پھر دل غم سے نڈھال ہوا ہے
ہجر تعلق ، ٹوٹ چکا ہے

یاروں سے کیا شِکوہ کرنا
بس یوں ہی دل بھر آیا ہے

اِس دل کی نگری کا راجا
پتّھر ہے یا پتّھر کا ہے

اَب بُلبُل کو شب ہو جائے
کب کوئی جُگنو آتا ہے

کلی جو کھل کر پھول بنی تھی
پھول کسی نے توڑ لیا ہے

سارے پتّے زرد ہوئے ہیں
پیڑ کو کیا غم ہو سکتا ہے!

لوگ پوچھتے ہیں کیا غم ہے
رنگ ترا بھی ناصؔر سا ہے

ساری دنیا پاس ہے صادقؔ
تو پھر بھی کتنا تنہا ہے

☆☆☆

غزل

کتنا تنہا تنہا سا ہے
دل کی بات نہیں کہتا ہے

یہ کیسی اُس کی عادت ہے
وہ تنہا سب کچھ سہتا ہے

یاد مُجھے جب تیری آئے
دل ٹھنڈی آہیں بھرتا ہے

رُوٹھ نہ جائے یار ہَمارا
ہوا چلے تو ، دل ڈرتا ہے

یہ خالی باتیں ہوتی ہیں
کون کسی بن اب مرتا ہے

اِک دن مجھ سے کہا تھا اُس نے
تُو مجھ کو اچھّا لگتا ہے

اِک دن میں نے خواب میں دیکھا
اُس نے مجھ کو مار دیا ہے

اب میں گھر لے آیا ہوں جو
میرؔ اُداسی چھوڑ گیا ہے

لوگ ندیم ندیم کہے ہیں
کون ندیم یہاں بنتا ہے

☆☆☆

غزل

اَب تو سب کچھ نَیا نَیا ہے
تُو بھی کتنا بدل گیا ہے

غنچہ غنچہ زخم بنا ہے
یہ کیسا موسم آیا ہے

اَب تو دل میں درد بسا ہے
خُون تو کب کا سُوکھ چُکا ہے

میرے پاس ذرا بیٹھو تم
مجھ کو خُود سے ڈَر لگتا ہے

یُوں ہی اُداس اُداس نہ پھِرنا
جانے والے نے روکا ہے

مجھ کو اُداس جو دیکھا تو کب
جانے والا ٹھہر گیا ہے

یاد اُس کی اِس جُولائی میں
سَرد ہَوا کا اِک جھونکا ہے

اُس کی یاد سے ہی دل میرا
برف سی راتوں میں جلتا ہے

مجھ کو ہر جانب سے صادق
تنہائی نے آ گھیرا ہے

☆☆☆

غزل

کیا وُہ سَب کچھ بھُول گیا ہے
مجھ کو یقین نہیں آتا ہے

نظمیں غزلیں اور خَط سارے
کیا وہ سب کُچھ پھینک چُکا ہے

میرا اک خط ، تیری نشانی
خط وہ میرے پاس پڑا ہے

تُو جو تنہا چھوڑ گیا تھا
تَنہائی نے ساتھ دیا ہے

''تنہائی کا دُکھ گہرا تھا''
ناصرؔ یہ بھی تو کہتا ہے

رات میں کوئی تو جادو ہے
وہ میرا ہونے لگتا ہے

رات گئے تک اِن گلیوں میں
کوئی آوارہ پھِرتا ہے

وہ اِک دن واپس آئے گا
میرا دل یہ کیوں کہتا ہے؟

جانے والے کب لَوٹے ہیں
صادق تیرا دل جھوٹا ہے

☆☆☆

غزل

تُو تو بالکل پتّھر سا ہے
پر مجھ کو اچّھا لگتا ہے

تیرے شہر میں کیا رکھا ہے
دل مجھ کو پھِر لے آیا ہے

ساری گلیاں گھُوم چُکا ہوں
تیری گلی سے ڈر لگتا ہے

اب ان سڑکوں پر تنہا ہوں
جن پر کبھی تو ساتھ چلا ہے

چاند کو دیکھ کے مجھ کو ہمیشہ
یاد ترا چہرا آتا ہے

چاند بادلوں میں چُھپ چُھپ کر
مجھ کو تنگ بہت کرتا ہے

پانی جس کو سمجھ رہا تھا
وہ تو نظر کا اِک دھوکا ہے

تُجھ کو میں کب بھول سکا ہوں
تُو تو مجھ کو بھول چکا ہے

یادیں بھی کیا چیز ہیں صادق
حال بُرا دِل کا ہوتا ہے

☆☆☆

غزل

تُو ہی مجھ کو یاد رہا ہے
تجھ کو ہی پَل پَل سوچا ہے

تُو بھی میرے ساتھ کھڑا ہے
مجھے یہی حوصلہ بڑا ہے

تُو ہی میری سوچ کا محور
فوٹو تیرا دل میں جَڑا ہے

پیار محبت جُھوٹی باتیں
اب مجھ کو احساس ہوا ہے

رات مَیں خواب میں تجھ کو دیکھا
خواب مگر اِک دھوکا سا ہے

دل کی نگری اُجڑی اُجڑی
اِس کو کون اجاڑ گیا ہے

پیار کا روگ لگانے والا
راتوں کو تارے گنتا ہے

اَبھی تو بارش بَرس رہی ہے
لیکن مجھ کو گھر جانا ہے

تھُوڑی دیر تو سو جا صادق
ان رَت جگوں میں کیا رکھّا ہے

☆☆☆

غزل

ساغر میں اک پھول کھلا ہے
سارا جنگل مہک اُٹھا ہے

ٹہنی ٹہنی سوکھ چلی ہے
پتّا پتّا خشک ہوا ہے

ہر سو تنہائی کا عالَم
ہر کوئی تنہا تنہا ہے

شہر کی سڑکیں تو ٹھنڈی ہیں
لیکن میرا دل جلتا ہے

کیسی دہشت پھیل گئی ہے
انساں انساں سے ڈرتا ہے

جنگل ، گلشن ، ندیا ، طوفاں
ہم نے بھی کیا کیا دیکھا ہے!

سونے جیسے کھیت کھڑے تھے
بے موسم بادل برسا ہے

شعر نہیں یہ سننے والے
تو پھیکی غزلیں کہتا ہے

میری مانو اب سو جاؤ
جانے کب سے جاگ رہا ہے

☆☆☆

غزل

تُو کیوں اس کو سوچ رہا ہے
وہ تو تجھ کو بھول چکا ہے

دل میں کیسا خوف بھرا ہے
پھول کھلے تو ڈر لگتا ہے

گئی رتوں میں تلاش کرے گا
آج وہ جس کو چھوڑ رہا ہے

میں کہتا ہوں اُسے بھلا دے
یہ کیا روگ لگا بیٹھا ہے

یادیں تو بس بوجھ ہیں دل کا
اور یادوں میں کیا رکھّا ہے

کوئی جو پوچھے حال مرا تو
کہہ دیتا ہوں سب اچھا ہے

پتا پتا ڈالی ڈالی
کس کے غم میں زرد ہوا ہے

ہر سُو پھیلا خوف کا عالَم
خوف یہ کیسے پھیل گیا ہے

صادقؔ تیرا مسئلہ کیا ہے
تو کیوں ماضی میں رہتا ہے

☆☆☆

غزل

وہ بھی مُجھ کو سوچ رہا ہے
میرا دل خُوش فہم بڑا ہے

میرؔ قنوطی شاعر تھا گر
کون رجائی ہو سکتا ہے!

میرؔ و غالبؔ داغؔ و مومنؔ
اور دلی میں رکھا کیا ہے

میرؔ و ناصرؔ میرے مرشد
مجھ پر ان کا رنگ چڑھا ہے

''پہلی بارش'' جب سے دیکھی
مجھ پر اُس کا اثر ہوا ہے

کیا کیا خواب تھے دیکھے ہم نے
اپنا خواب تو خواب رہا ہے

اُس کی یاد مرا دل کھائے
کیا دل کا کچھ ہو سکتا ہے!

ایک وہ دن ، تُو ساتھ تھا میرے
ایک یہ دن ، تُو چھوڑ گیا ہے

گر ہے صادقؔ عشق ترا تو
آنکھ سے پانی کیوں بہتا ہے

☆☆☆

غزل

اب دل تنہا خوش رہتا ہے
میں نے خود کو بدل لیا ہے

وصل ، فراق ، اداسی سب کو
میں نے آنکھوں سے دیکھا ہے

پیار ترے کو سمجھ نہ پایا
پیار سراسر اک دھوکا ہے

دل کا کھونا ، آنکھ کا رونا
عشق میں ایسا تو ہوتا ہے؟

عشق برا ہو تیرا تُو نے
مجھ کو تو بس مار دیا ہے

مایوسی بھی کفر ہے لیکن
غیرِ خدا سے آس بھی کیا ہے

تم کیوں میرے ہو نہیں جاتے
دل تم کو ہی مانگ رہا ہے

ساری غزلیں درد بھری ہیں
درد کہاں سے تُو لایا ہے

نام خُدا کا سو جا صادق
کس نے تجھے جگا رکھا ہے

☆☆☆

غزل

جب سورج ڈھلنے لگتا ہے
یاد مجھے تُو کیوں آتا ہے

تُو نے پہنے ہیں دستانے
میرے دل کا خون ہوا ہے

تیرے شہر میں آ کر مجھ کو
اپنا آپ ہی بھول گیا ہے

تُو نے نہیں بنایا اپنا
تیرے شہر کو اپنایا ہے

تیری ساری باتیں سچی
کیسے کہوں میں تُو جھوٹا ہے

کوئی تری مجبوری ہو گی
میں نے اب یہ سوچ لیا ہے

اِس دل کو کیسے سمجھاؤں
یہ تجھ کو اپنا سمجھا ہے

عشق کی آگ یہ کیسی بھڑکی
سب کچھ جل کر راکھ ہُوا ہے

تیرے شہر سے جانے لگا ہوں
کوئی مجھ کو روک رہا ہے

☆☆☆

غزل

اِس میں تیرا قصور بھی کیا ہے
مجھ کو تجھ سے پیار ہُوا ہے

خود ہی اپنا بُرا کیا ہے
تجھ کو کب الزام دیا ہے

تجھ کو کوئی افسوس نہیں کیا
میں نے خود کو مار لیا ہے

چاند کو جب بھی دیکھتا ہوں میں
دھیان میں پھر تُو آجاتا ہے

تیور تیرے بدلے بدلے
جانے تُو کیا سوچ رہا ہے

موم کی مورت ، چاند سی صورت
جانے دل کیوں پتھر سا ہے

تیری مجبوری سمجھی ہے
شکوہ تجھ سے کس نے کیا ہے

تیری ساری باتیں سچی
میں نے ہی سب جھوٹ کہا ہے

ہجر کا درد اُٹھا کر کوئی
گور کنارے اب پہنچا ہے

☆☆☆

غزل

دیکھو کب سے گم بیٹھا ہے
جانے کس کو سوچ رہا ہے

جانے تیرے دل میں کیا ہے
مجھ کو سمجھ نہیں آتا ہے

میں تو مدّت سے تنہا ہوں
حیرت سے کیوں دیکھ رہا ہے

دل میں سارا کرب چھپا کر
اک کورا کاغذ بھیجا ہے

پیار ، محبت کرنے والا
کورا کاغذ پڑھ سکتا ہے

دل اجڑا سا اسٹیشن ہے
اور اک شخص وہاں اترا ہے

جب تُو پہلی بار ملا تھا
تب سے تُو دل میں رہتا ہے

ساہی وال کو جاتے رستے
تُو کتنا اچھا لگتا ہے

ساہی وال محبت میری
یہ میرے دل میں بستا ہے

☆☆☆

غزل

کیوں کر مجھ کو درد دیا ہے
آخر میرا قصور بھی کیا ہے

جانے اُس کے دل میں کیا ہے
وہ بالکل خاموش کھڑا ہے

تیری یادیں ، تیری باتیں
اور اس دل میں کیا رکھا ہے

سب دعوے میرے جھوٹے ہیں
تیرا پیار بھی سب جھوٹا ہے

چاروں سمت اندھیارے رکھ کر
وہ سورج کیا سوچ رہا ہے

اپنے دل کی ہر دھڑکن میں
تجھ کو مَیں نے یاد کیا ہے

اُس بھولی بھالی صورت نے
میرا دل تو لوٹ لیا ہے

اشکوں کی برسات میں اکثر
دل کا کمرا گر پڑتا ہے

ناصر کی ''پہلی بارش'' میں
صادق پورا بھیگ چکا ہے

☆☆☆

غزل

میں نے بس تجھ کو چاہا ہے
کون سا ایسا جرم کیا ہے

لوگ مجھے کیوں دیکھ رہے ہیں
مجھ سے کیا کچھ غلط ہوا ہے

تجھ کو جس کی خبر نہیں ہے
تیری یاد میں سوکھ چکا ہے

اُس سے اتنی نفرت کیوں ہے
وہ تو تیرا دوست رہا ہے

تیری جدائی سہوں مَیں کیسے؟
تُو کیوں مجھ سے دور گیا ہے

آج کی رات نہ سو پاؤں گا
گلی میں تجھ کو دیکھ لیا ہے

تیری گلی میں جاتا کیوں ہوں
ہوش کہاں مجھ کو رہتا ہے

کوئی تو بات ہے دل میں تیرے
میں نے یہ محسوس کیا ہے

رات بنی ہے سونے کو جی
جانے تُو کیوں جاگ رہا ہے

☆☆☆

غزل

آج بھی دل میں دردُ اٹھا ہے
کیا پھر کسی نے یاد کیا ہے

اب کیوں اُس کو یاد کیا ہے
وہ تُو کب کا چھوڑ گیا ہے

مجھ کو کیوں برباد کیا ہے
کیا تجھ کو اچھا لگتا ہے!

تجھ بن دل اُجڑا اُجڑا ہے
اور تُو سب کچھ دیکھ رہا ہے

رات کے تین بجے ہیں اور تم
اب تک جاگ رہے ہو کیا ہے

گزری باتیں گزر چکی ہیں
تُو اب کس کو یاد رہا ہے

عشق ، محبت پاگل پن ہے
کیوں یہ روگ لگا رکھا ہے

کیا تُو اُس کو بھول سکے گا
اب جو تجھ کو بھول چکا ہے

اُس نے کہا تھا وہ تیرا ہے!
خود سے تُو نے سوچ لیا ہے

☆☆☆

غزل

میرا فون نہیں سنتا ہے
دسویں بار بھی کاٹ دیا ہے

کیسے اس سے بات کروں میں
میسنجر سے بلاک کیا ہے

فیس بک سے اَن فرینڈ ہوں میں
وٹس ایپ بھی بند کیا ہے

نا ای میل پتا ہے کوئی
خط کا زمانہ نہیں رہا ہے

فیس بُک پروفائل پہ بلّی
خود بھی وہ بلی جیسا ہے

ڈی پی نظر نہیں آتی اب
نمبر بھی ڈیلیٹ کیا ہے

میرے اسٹیٹس دیکھے ہیں
ذرا بھی نوٹس نہیں لیا ہے

مجھے بلاک کیا ہے جب سے
فیس بُک پہ ہی وہ رہتا ہے

صادق فون نہ کر تُو اس کو
وہ تجھ سے بیزار ہوا ہے

☆☆☆

غزل

ساری بات سمجھ جاتا ہے
فاع فاعلن پر اٹکا ہے

فاع فعولن فاع فعولن
سارا کھیل فعولن کا ہے

میرے عروض پہ شک کرتا ہے
''پہلی بارش'' کو دیکھا ہے!

میرا عروض پرکھنے والے
تجھ کو عروض نہیں آتا ہے

پہلے ناصؔر کو پڑھ کر آ
بات عروض کی گر کرتا ہے

فعلن کی تو سو صورت ہے
تو بس آٹھ لیے پھرتا ہے

''پہلی بارش ''میں ناصر نے
ہندی بحر کو ہی برتا ہے

میرے شہر کے لوگوں نے تو
ناصؔر کو بے وزن کہا ہے

تجھ کو وہی سمجھے گا صادقؔ
جس نے ناصؔر کو دیکھا ہے

☆☆☆

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو
میر انیسؔ

منظومات

ناسٹیلجیا

جگنو دیکھے مدت گزری
جگنو ڈھونڈ کہیں سے لاؤ
بلبل رستہ بھول گئی ہے
جگنو ڈھونڈ کہیں سے لاؤ

تتلی نے بھی بستی چھوڑی
رنگوں کو ہیں آنکھیں ترسی

تتلی ڈھونڈ کہیں سے لاؤ
خوشبو سونگھے عرصہ گزرا
کوئی پھول پرانا لاؤ

شہر نہیں وہ شہر پرانا
گاؤں بھی ہے بدلا بدلا
شہر کہاں وہ شہر پرانا
گاؤں ڈھونڈ کہیں سے لاؤ

لوگ محبت کرنے والے
چاہت کا دم بھرنے والے
بات پرانی لوگ پرانے
بستی ایسی ڈھونڈ کہیں سے

لہجے سب کے بدلے بدلے
لیکن صادق ہم کب بدلے
اپنی ہے بس ایک ہی مشکل

کاش کہیں ہم بدلے ہوتے
پھر کب اتنے شکوے ہوتے

روز نہیں ایسے چل سکتا
خود بدلو یا یہ سب بدلو

☆☆☆

گاؤں کا رستہ

میرے گاؤں جاتا تھا جو
اُس رستے کے دونوں جانب
میٹھے آموں کے کچھ بوٹے
اونچے سایہ دار شجر بھی
کچھ شیشم کے ، کچھ پیپل کے
کچھ لیموں کے چھوٹے چھوٹے

بھینی بھینی خوشبو والے
کچھ پھولوں والے بوٹے بھی
کچھ کانٹوں والے بوٹے بھی

جیسے کیکر ، بیری ، آڑو
کچھ چمکیلے پتّوں والے
پتلی لمبی شاخوں والے
پر پھیلائے رستے اوپر
بادل چھائے رستے اوپر
گرمی میں سب کے سب گھر سے
باہر آئے رستے اوپر
ساجن ، متّر ، بیلی سارے
روز بلائے رستے اوپر

میں جب کالج آتا جاتا
چڑیوں کی چوں چوں سنتا تھا
کوئل کی کُو کُو سنتا تھا
بلبل بھی گانا گاتی تھی

ہجر کے ماروں کی خاطر جب
وصل کے گیت ہوا بنتی تھی
رنگ بہار کے اُس مٹی سے
ہر دل کی دھڑکن چنتی تھی
اک مدّت سے اک عرصے سے
چھوٹ گیا وہ رستہ مجھ سے
جو میرے گاؤں جاتا تھا

☆☆☆

کالج کی یادیں

کالج کی یادیں آتی ہیں
یہ رہ رہ کر تڑپاتی ہیں
جب کالج جایا کرتے تھے
ساجن ، بیلی مل جاتے تھے
اک دوجے کو چھیڑا کرتے
لڑتے جھگڑا بھی کرتے تھے

موجیں تھیں مستی کرتے تھے
پڑھتے تو مزہ بھی آتا تھا

پھر باتوں میں لگ جاتے تھے
اپنی دنیا میں رہتے تھے
نہ کسی کی پروا کرتے تھے
سب کیفے جایا کرتے تھے
سب مل کر کھایا کرتے تھے
اک پاکٹ سے بل جاتا تھا

پیزا ، برگر اور بریانی
ہم سب کا چسکا ہوتا تھا
پھر نکڑ والے ہوٹل سے
چائے بھی جا کر پیتے تھے

اکثر ایسا بھی ہوتا تھا
ہم چھوڑ کلاسیں دیتے تھے
پورا کالج گھوما کرتے
چپہ چپہ چھانا کرتے

بازار کہاں کے ہیں جو ہم
نہ سبھی مل کر گھومے ہوں گے
کتنے لیکچر چھوڑے ہم نے
کتنے سگنل توڑے ہم نے
سب یاد مجھے اب آتا ہے
نہ کبھی ہم نے جو سوچا تھا
وہ وہ اب میں نے سوچا ہے

دفتر سے اب فرصت ہی نہیں
میں اکثر سوچا کرتا ہوں
دفتر میں جب تھک جاتا ہوں
وہ باتیں ذہن میں لاتا ہوں
وہ یادیں ذہن میں لاتا ہوں
پھر تازہ دم ہو جاتا ہوں
لیکن اتنا کافی تو نہیں

سب یار کہاں سے لاؤں میں
ڈھونڈوں میں اُن کو کہاں جا کر
وہ دن یاد بہت آتے ہیں
اور رہ رہ کر تڑپاتے ہیں

☆☆☆

پتّھر

بیٹھا تھا مَیں کمرے اندر
غور سے میں نے جب دیکھا تھا
آگے ، پیچھے ، اوپر ، نیچے
پتّھر ، پتھر ، پتھر ، پتھر
چیزیں ساری پتھر کی تھیں
چھت دیواریں پتھر کی تھیں
کمرا سارا پتھر کا تھا

صحن میں نکلا میں نے دیکھا
گھر بھی سارا پتھر کا تھا
اک تنہائی گونج رہی تھی

جب میں گھر سے باہر نکلا
روڈ بھی سارا پتھر کا تھا
لوگ بھی سارے پتھر کے تھے
سوچ بھی ساری پتھر کی تھی
شہر ہی سارا پتھر کا تھا

رات ہوئی تو میں نے دیکھا
چاند فلک پر پتھر کا تھا
تارے سارے پتھر کے تھے
چیخ جو ماری پتھر گونجے

چیخ بھی ساری پتھر کی تھی
لوٹ کے آیا خود کو دیکھا
اور پھر میں بھی پتھر کا تھا

☆☆☆

ہوٹل والے کا بچہ

اک ہوٹل والا بے چارہ
چائے ہے بناتا دن سارا
ہوٹل کا چولہا جلتا ہے
تو گھر کا چولہا چلتا ہے
اُس کا چھوٹا سا بیٹا ہے
دن سارا چائے دیتا ہے

برتن دھوتا تھک جاتا ہے
چائے دے دے اَک جاتا ہے
ہم دن بھر چائے پیتے ہیں
سب چھوٹو چھوٹو کہتے ہیں

اُس کے ہم عمر سبھی بچے
جاتے ہیں سکول اپنے اپنے
ہر شام پتنگ اڑاتے ہیں
پیزا ، برگر بھی کھاتے ہیں
کھیلیں ، کودیں ، بھاگیں ، دوڑیں
اک دوجے کے دھاگے توڑیں
چائے دینا ، برتن دھونا
کیا اُس بچے کی قسمت ہے؟

کتنے ایسے بچے ہیں جو
چھوٹو ، نکّو ، ساجو ، طوطی
بھولا ، بالا ، کالا ، جیلا
جانے کیا کیا کہلاتے ہیں
بچے یہ کہاں سے آتے ہیں؟

☆☆☆

۔۔۔۔۔کا سراپا

چاند سا چہرا ، بال تھے بادل
دانت تھے اُس کے موتی جیسے
ناک تھی ستواں ، پیاری آنکھیں
پتلی لمبی روشن انگلی
انگلی میں اک زرد انگوٹھی

ہاتھ تھے اُس کے چاندی جیسے
نیلے رنگ کی چادر ہوتی
کالا رنگ سکارف کا ہوتا
بہت وہ اُس کو اچھا لگتا
لان میں بیٹھے دیکھا کرتا
باتیں کرنے کو جی کرتا
لیکن اُس سے ڈر بھی لگتا

بیگ گلابی رنگ کا ہوتا
جوتا بھی تھا سفید ہی اُس کا
جیسے سفید تھے پاؤں اُس کے
روز اُسی جا کرسی ہوتی
یعنی میرے عین برابر

آنکھ نہ بھر کر دیکھا ہم نے
میں نے اُس کو ، اُس نے مجھ کو
رنگ یہ سارے نقش ہیں کیسے
اُس کا میرا کیا رشتہ تھا

☆☆☆

اک بے نام سی کیفیت

دن بھی دیکھا ، رات بھی دیکھی
لہجے دیکھے ، بات بھی دیکھی
شام کو ہم نے یاد بھی دیکھی
جیت بھی دیکھی ، مات بھی دیکھی
دن کو ہم نے تارے دیکھے
لہجے تیرے سارے دیکھے

ہجر بھی دیکھا ، وصل بھی دیکھا
چاند بھی دیکھا ، بادل دیکھے

کیسے کیسے وہم تھے دل میں
ہنستے ہنستے رونے لگتے
روتے روتے ہنسنے لگتے
ایسے تُو نے پاگل دیکھے

عمر گزاری ہے تجھ بن میں
آج بھی زندہ ہوں تجھ بن میں
لیکن اپنا حال تو دیکھو
دن سویا سویا رہتا ہے
شب جاگی جاگی رہتی ہے

☆☆☆

نہر کنارہ

نہر کنارے بیٹھا ہوں میں
بہتا پانی دیکھ رہا ہوں
اُجلا پانی ، تیز روانی
سُرسُر ، سُرسُر کرتا جائے
میٹھے میٹھے گیت سنائے
نہر کنارے بوٹے سارے
ناچیں ، گائیں ، جھومیں ، جھولیں

طوطا ، چڑیا ، بلبل ، مینا
رنگ برنگی بولی بولیں
یہ کیسا پیارا منظر ہے
شام اُداسی لے کر آئی
یہ منظر بھی اک منظر ہے
میرا دیکھا بھالا منظر
خوف کا ہے اک کالا منظر

شام کے جاتے ، رات کے ہوتے
سارے بوٹے سو جاتے ہیں
تو پھر چاند نکل آتا ہے
میں اُس سے باتیں کرتا ہوں
میں جتنی باتیں کرتا ہوں

میں تیری باتیں کرتا ہوں
یوں ہی رات گزر جاتی ہے
اور سویرا ہو جاتا ہے
میں شب بھر ہوں نہر کنارے
میں دن بھر ہوں نہر کنارے
نہر کنارہ دنیا میری

☆☆☆

جاڑے کا موسم

جاڑے کا موسم حیرت سے
میرا منہ تکتا رہتا ہے

کیسے اُس کی لمبی راتیں
کیسے اُس کی ٹھنڈی راتیں
میں تنہا ہی کاٹ رہا ہوں

وہ کیا جانے میرے دل کو
میں اُس کی لمبی راتوں میں
میں اُس کی ٹھنڈی راتوں میں
بھول کے چاند بھی جاڑے کا میں
کمرے اندر بیٹھ کے بس میں
یاد تمہیں کرتا رہتا ہوں

جاڑے کا موسم حیرت سے
میرا منہ تکتا رہتا ہے

☆☆☆

پتّھر۔۔۔؟؟

میں تم کو پتھر سمجھا تھا
تنہائی میں اک دن میں نے
تم کو پتھر کہہ ڈالا تھا
بات یہ میری سُن کر پتھر
بہت برا وہ مان گئے تھے

پھر میں سمجھا ، پھر میں جانا
نرم بھی ہوتے ہیں کچھ پتھر
کیا کیا بیج اگاتے ہیں وہ
اُن کو پیڑ بناتے ہیں وہ
اُن پر پھول سجاتے ہیں وہ
اُن کا درد بٹاتے ہیں وہ

پتھر کا بھی دل ہوتا ہے
اُس کو بھی سبزہ بھاتا ہے
اب میں سمجھا اب میں جانا
نہیں مناسب تم کو کہنا
نہیں مناسب پتھر کہنا
کاش کہ تُو بھی پتھر ہوتا

☆☆☆

میں تم اور اسٹیشن

میں اکثر دیکھا کرتا تھا
ریل رکے جب اسٹیشن پر
میں تجھ کو ڈھونڈا کرتا تھا
ریل رکے جب اسٹیشن پر
کاش! وہاں تم آئے ہوتے
اور یوں ہم دونوں مل جاتے

گاڑی رکتی اسٹیشن پر
حیف نہیں ایسا ہو پایا
لیکن ایسا کیسے ہوتا
میرا نصیب نہیں ایسا تھا
میں قسمت کا مارا انساں

بھیڑ میں نظر تھک جاتی تھی
چہرے گنتے گنتے میری
پیپل نیچے ، برگد نیچے
لوگ پھریں اسٹیشن پر
چڑیاں بھی اڑتی پھرتی تھیں
وہ چوں چوں چر چر کرتی تھیں
اور مجھے ایسا لگتا تھا
وہ مجھ پر ہنستی رہتی ہیں

کاش میں تمھیں بھولا ہوتا
لیکن ایسا کیسے ہوتا
میرا نصیب نہیں ایسا تھا
میں قسمت کا مارا انساں

پھر میں ہولے ہولے تجھ کو
بھول گیا اسٹیشن پر ہی

ریل مجھے تھی اچھی لگتی
لوگ مجھے تھے اچھے لگتے
ریل کو تکتی اُن کی نظریں
کتنی مجھ کو اچھی لگتیں
بھول گیا میں تجھ کو آخر
اسٹیشن میری دنیا تھیں
اسٹیشن میرا اپنا تھا

اسٹیشن کا میں مالک تھا
سب کچھ میری ملکیت تھا
برگد ، پیپل ، چڑیاں ، گاڑی
راس نہ آیا یہ سب مجھ کو
راس یہ مجھ کو کیسے آتا
میرا نصیب نہیں ایسا تھا
میں قسمت کا مارا انساں

ریل نہیں اب آتی جاتی
لوگ نہیں اب اسٹیشن پر
سوکھ گیا وہ پیپل سارا
برگد بھی سوکھا سوکھا ہے
چھوڑ گئیں وہ چڑیاں ساری
ٹھنڈی چھاؤں ، ٹھنڈا پانی
سوکھ گیا سارے کا سارا

سوکھ گیا وہ سارا پانی
یہ سب کچھ چھن جانے سے اب
یاد مجھے تم ہی آتے ہو
عکس تھا اسٹیشن تیرا ہی
میں تجھ کو ہی بس ڈھونڈوں گا
سوکھا پیپل ، سوکھا برگد
سبز نہیں جب تک ہو جاتا

سوکھا پیپل سبز نہ ہو گا
سوکھا برگد سبز نہ ہو گا
لوٹ کے چڑیاں کیوں آئیں گی
لوٹ کے چڑیاں آئیں کیسے
میرا نصیب نہیں ایسا ہے
میں قسمت کا مارا انساں

☆☆☆

پچھلی رُت

پچھلی رُت کی بات نہ کر تُو
کچھ بھی نہیں ہے پہلے جیسا
تُو بھی نہیں ہے پہلے جیسا
میں بھی نہیں ہوں پہلے جیسا

ہر کونپل اک سوچ میں گم ہے
سوکھے پتّے دیکھ رہے ہیں
جب تُو مجھ کو چھوڑ گیا تھا
پتّے سارے سوکھ گئے تھے
کیا غم تھا سب ٹوٹ گئے تھے

آنکھوں کا دریا جاری تھا
کس خواہش کا خون ہوا تھا
بلبل گانا بھول گئی تھی

پچھلی رُت کی بات نہ کر تُو
کچھ بھی نہیں ہے پہلے جیسا
پچھلی رُت میں ساتھ تھے دونوں
اب میں تنہا ، تُو بھی تنہا
پچھلی رُت کی بات نہ کر تُو
کچھ بھی نہیں ہے پہلے جیسا

☆☆☆

میں تُو اور پیڑ

جب ہم روز ملا کرتے تھے
ہم کیا کیا باتیں کرتے تھے
وقت وہ کیسے بدل گیا ہے

تُو بھی کتنا جھوٹا نکلا
میں بھی کتنا جھوٹا نکلا

تُو نے بھی سب جھوٹ کہا تھا
میں نے بھی سب جھوٹ کہا تھا

ہم جس پیڑ کے نیچے بیٹھے
دنیا کو جھوٹا کہتے تھے

میں اک روز وہاں سے گزرا
پیڑ بھی وہ حیران کھڑا تھا
ہر اک ٹہنی ٹوٹ چکی تھی
پتّا پتّا خشک ہوا تھا
میں کتنا حیران ہوا تھا

☆☆☆

نیلی چادر والی لڑکی

گہری نیلی چادر اندر
لپٹی لڑکی یاد ہے اب تک

اُس کی آنکھیں ، اُس کا چہرا
بھول نہیں سکتا میں ہرگز
اُس کی بھولی بھالی باتیں
دل کے اندر بند ہیں اب تک

کوئی اگر پوچھے ، وہ لمحے
حرف بہ حرف سنا سکتا ہوں
جتنے دن بھی ساتھ تھے بیتے
اک اک پل بتلا سکتا ہوں
پوری کہانی یاد ہے اب تک

گہری نیلی چادر اندر
لپٹی لڑکی یاد ہے اب تک
نیلی چادر ، بھولی صورت
نقش ہے دل میں یاد ہے اب تک

گہری نیلی چادر اندر
لپٹی لڑکی یاد ہے اب تک

☆☆☆

۔۔۔کے پروفائل پر بلّی دیکھ کر

پالی میں نے بھی اک بلّی
دیکھی تیرے گھر جب بلّی

تیرے گھر میں جو بلّی ہے
بھولی بھالی سی دِکھتی ہے
خوب شرارت پر کرتی ہے
تیرے بستر پر بیٹھی ہے

مجھ کو کیسے گھور رہی ہے
تجھ سے ملنے جب آتا ہوں
اِس کے بسکٹ بھی لاتا ہوں

یہ کتنے نخرے کرتی ہے
بس تیرے جیسی لگتی ہے
کیک بیکری کے کھاتی ہے
اور پھر بھی گھورے جاتی ہے

یہ سب کچھ دیکھا میں نے تو
پالی میں نے بھی اک بلّی
ایسی نہیں پر میری بلّی
تیری بلّی ، تیری بلّی
ایسی نہیں پر میری بلّی

☆☆☆

اک کلاس فیلو کی فرمایش پر

میں کتنا پاگل لڑکا ہوں
پیار جو تم سے کر بیٹھا ہوں

پیار تو نیند چُرا لیتا ہے
پیار تو چین چُرا لیتا ہے
پیار میں درد ہی بس ملتا ہے
پیار میں اور نہیں کچھ رکھا

میں کتنا پاگل لڑکا ہوں
پیار جو تم سے کر بیٹھا ہوں

کون جو پیار میں جیت سکا ہو
پیار تو دھوکا ہی دھوکا ہے
پیار بھی وہ جو یک طرفہ ہو

میں کتنا پاگل لڑکا ہوں
پیار جو تم سے کر بیٹھا ہوں

☆☆☆

پتھر کی دنیا

آج بھی دنیا پتّھر کی ہے
نہیں ہے بدلی ریت ہماری
کوئی بھی چیز نہیں ہے بدلی
پیار نہیں سمجھے گا کوئی
آ اِس پتّھر کی دنیا میں
میں بھی پتّھر ہو جاتا ہوں

تم بھی پتّھر کے ہو جاؤ
آ اِس پتّھر کی دنیا میں
ہم بھی پتّھر ہو جاتے ہیں

اب بھی دنیا پتھر کی ہے
اِس کی ہر شے پتھر کی ہے
چاند بھی پتھر تارے پتھر
چشمے پتھر دھارے پتھر
ریت رواج ہمارے پتھر
آ اِس پتّھر کی دنیا میں
ہم بھی پتّھر ہو جاتے ہیں
آ اِس پتّھر کی دنیا میں
ہم دونوں پتّھر ہو جائیں

☆☆☆

تم بن رہ سکتا ہوں

میرا دکھ تو میرا دکھ ہے
تیرا دکھ بھی میرا دکھ ہے
دونا دکھ بھی سہہ سکتا ہوں
کب میں تم بن رہ سکتا ہوں

بات مری تم مان بھی جاؤ
دل کی باتیں جان بھی جاؤ
تم کو کب کچھ کہہ سکتا ہوں
تم بِن اَب میں رہ سکتا ہوں

☆☆☆

غضنفر عباس سیّد کی یاد میں

''زیرِ آب چراغ'' کے خالق
جانے آپ کو کیا جلدی تھی
ابھی تو میں کالج آیا تھا[1]
آپ بھی ہوتے ہمیں میسّر
ہم سب مل کر بیٹھا کرتے

[1] 2018ء میں پنجاب پبلک سروس کمیشن کے ذریعے منتخب ہونے کے بعد شعبہ اردو گورنمنٹ کالج ساہیوال میں بطور لیکچرر تقرری ہوئی۔

علمی ادبی باتیں کرتے
چائے کے دور بھی چلتے رہتے
غزل کے پھول بھی کھلتے رہتے

''زیرِ آپ چراغ'' کے خالق
جانے آپ کو کیا جلدی تھی
آپ تو شعبے کی رونق تھے

جب میں شعبہ آیا کرتا
آپ کو بیٹھے دیکھا کرتا
دیکھ کے اب وہ خالی کرسی
دل یہ میرا کٹ جاتا ہے
اندر میرا پھٹ جاتا ہے

''زیرِ آب چراغ'' کے خالق
جانے آپ کو کیا جلدی تھی

☆☆☆

لیب میں بیٹھی اک کیمسٹ لڑکی[1]

لیب میں بیٹھی گم صم لڑکی
جانے کیا کچھ سوچ رہی ہو
کب سے ان روشن آنکھوں سے
اک بوتل کو گھور رہی ہو
شیشے کی خالی بوتل میں
تیری آنکھ کا عکس پڑے گا
لیب تو ساری روشن ہو گی

[1] بلال اعظم کی نظم ''چاندی'' سے متاثر ہو کر

روشن آنکھوں والی لڑکی
تیری آنکھ کے نور سے ہر شے
لیب میں بکھری چمک اُٹھے گی
لیب کی ہر اک بوتل بوتل
روشن روشن لگے گی جب تو

روشن آنکھوں والی لڑکی
تیری آنکھیں سب دیکھیں گے
تم سے گزارش ہے اک میری
خالی بوتل کو مت گھورو

☆☆☆

دل کی بات نہیں سنتا ہے

میں نے کہا اجازت ہو تو
دل کی بات کہوں اک تم سے
اُس نے کہا نہیں رہنے دو

☆☆☆